فورٹ ولیم کالج اور اردو زبان

ڈاکٹر روبینہ شہناز*

Abstract:

Establishing Forte William College is generally considered as a mile stone in the history of development of Urdu. This is a fact but partially. Actually it is true that it served a lot for the development of Urdu prose but as far as Urdu language is concerned, it divided a common language Urdu into two different languages for some political gains. The conflict between Urdu and Hindi has its roots in the efforts of Forte William College. The article discusses the factual position critically in this regard.

برصغیر دنیا کا ایسا خطہ ہے جسے مختلف وجوہ کی بنا پر بیرونی عالمی قوتوں نے ہمیشہ حریص نظروں سے دیکھا اور نتیجتاً یہ مہم جوئی کی زد میں رہا۔ اس کی سب سے اہم وجہ وسائل کی وہ افراط اور فراوانی ہے جو قدرت نے اس خطے کو عطا کی ہے۔ عسکری مہم جوئی کے علاوہ سوداگروں اور جہاز رانوں کے لیے قدیم عہد سے یہ خطہ بڑا تجارتی مرکز تھا اور یہاں تجارتی اشیا کا تنوع اور فراوانی ہمیشہ سے تاجروں کے لیے کشش کا باعث رہی۔ مختلف اوقات میں پرتگال، ولندیز، ڈنمارک، جرمنی، فرانس اور برطانیہ سے آنے والے تاجروں نے یہاں اپنا کاروبار جمانے کی کوششیں کیں۔ بعض کو جزوی اور وقتی طور پر کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن اس تجارتی مسابقت میں فتح بالآخر برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہوئی۔ کمپنی کی اس کامیابی کی سب سے اہم وجہ اس کا تجارتی طور پر اور خاص کر عسکری حوالے سے منظّم اور فعال ہونا ہے۔ اسی عسکری قوت نے اسے ہندوستان کی تجارتی دنیا کا حکمران بنایا اور بعد ازاں اس کی یہی قوت اسے سیاسی حکمرانی تک لے گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ۱۶۰۰ء میں رکھی گئی اور اس کے مقاصد تجارتی تھے۔ مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں اسے ہندوستان میں آزادانہ تجارت کی اجازت ملی جس کی بنا پر کمپنی کا رسوخ ہندوستان کے نہ صرف کاروباری بلکہ سیاسی معاملات میں ہوا۔

کمپنی کے اس اثر و رسوخ کے روز افزوں ہونے کی وجہ ہندوستان کی کمزور سیاسی مرکزیت اور بدنظمی تھی۔

* صدر شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل حکومت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی چلی گئی اور مختلف صوبوں اور ریاستوں کے امراء اور نوابوں نے ایک طرح سے اپنی اپنی حکمرانی قائم کر لی۔ ان امراء کی نااہلی کے باعث انگریزوں نے انھیں قرضوں کے جال میں پھنسایا۔ وہ انتظامِ حکومت چلانے کے لیے انھیں قرضے دیتے۔ قرضہ دیتے وقت جس فراخ دلی اور تعاون کا مظاہرہ کیا جاتا، اسے وصول کرتے وقت اتنی ہی سختی اور بے رحمی برتی جاتی۔ نتیجتاً قرض خواہوں کو اپنے علاقے انگریزوں کو بیچنے پڑتے اور رفتہ رفتہ وہ ہندوستانی سرزمین پر قابض ہوتے چلے گئے۔ یہ کارروائی سب سے پہلے بنگال میں ہوئی۔ اٹھارویں صدی کے ربع آخر کے آغاز سے پہلے بنگال میں ان کی عمل داری اس قدر بڑھ چکی تھی کہ انھوں نے نہ صرف وہاں اپنی حکومت قائم کی بلکہ اپنا سکہ بھی چلا دیا۔ تبسم کاشمیری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> جب ہم ۱۸۰۵ء میں انیس برس کی مختصر مدت کے بعد ہندوستان کے نقشے کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے استحکام کے بعد کمپنی کے قدم کانپور، آگرہ، متھرا اور دھل تک بڑھ چکے ہیں۔ درمیان میں صرف اودھ کی ریاست رہ گئی ہے۔ (۱)

ساحلی علاقے میں بڑھتے ہوئے مقبوضات اور دیگر علاقوں میں کمپنی کی عمل داری کا روز افزوں سلسلہ ایک طرف جہاں انگریزوں کے یہاں طاقت پکڑنے کے ثبوت تھے وہیں دوسری طرف اس بات کا اشارہ بھی تھا کہ ہندوستان کا قدیم نظام عسکری، معاشی، سیاسی اور انتظامی حوالے سے دم توڑ رہا تھا۔ ہندوستانی عسکری لوازمات کی جگہ انگریزوں کے خودکار ہتھیار اور نظام حرب آ گئے۔ یہاں کے جاگیرداری اور دیہی معاشرت پر مبنی معاشی نظام کی جگہ جدید دنیا کے معاشی معاملات راہ پانے لگے۔ سیاسی نظام بھی بدلنے لگا اور انتظامی طور پر بھی بادشاہت کی جگہ بیوروکریسی جیسا نظام آنے لگا۔ لیکن یہ سارے معاملات آہستہ آہستہ لڑائی سے امن کی طرف جا رہے تھے۔ انگریزوں کو سیاسی اور عسکری قبضے کے بعد امن و امان کی ضرورت تھی تاکہ وہ انتظامی معاملات کو خوش اسلوبی سے چلا سکیں۔ اس میں سب سے بنیادی مسئلہ زبان کا تھا۔ ہندوستان کے زوال کے وقت عمومی طور پر اس کی دفتری زبان فارسی تھی۔ اسے سب استعمال کرتے تھے۔ آغاز میں انگریزوں نے بھی اسے اختیار کیا۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

> ''اس دور میں دربار مغلیہ کی زبان فارسی تھی۔ مرہٹے بھی فارسی استعمال کر رہے تھے۔ کمپنی نے بھی فارسی کا استعمال شروع کیا۔ وارن ہیسٹنگز کے دور میں برطانوی حکمرانوں کی دلچسپی فارسی سے زیادہ بڑھی۔'' (۲)

ہندوستان میں اپنا قبضہ وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو بڑے پیمانے پر انتظامی معاملات کو چلانا تھا۔ اس کے لیے رابطے کی زبان کا ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ ابتدائی طور پر مترجمین کی خدمات حاصل کی گئیں لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکتا تھا۔ حاکم جب تک محکوم کی زبان سے آشنا نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح انتظامی فیصلے کرنے میں سہولت حاصل نہیں کر سکتا۔ فاتح اور مفتوح کے اس رابطے کے بارے میں رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں: ''کوئی قوم تاوقتیکہ مفتوح کی زبان اور رسوم و روایات تاریخی و مذہبی سے کماحقہٗ بلاواسطہ واقف نہ ہوں گی، اس پر پورے طور سے

حکومت نہیں کر سکتی اور ان سب باتوں کے لیے ضروری تھا کہ حاکم اپنے محکوموں کی زبان سیکھیں''۔(۳) ہندوستان کے ان نئے حکمرانوں کو یہ سہولت حاصل نہ ہونے کے باعث جس بدانتظامی کا سامنا تھا۔اس پر بھی رام بابو سکسینہ نے رائے دی ہے کہ ''عمال ہندوستان اپنے فرائض منصبی محض دیسی زبانوں کے نہ جاننے کی وجہ سے بہت بری طرح سے ادھورے طریق پر ادا کرتے ہیں۔''(۴)

اس تفاوت کو دور کرنے کے لیے اور مقامی زبانوں سے آشنائی کے لیے انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ولزلی نے ایک طویل تحریر لکھی جس میں مجوزہ کالج کے قیام،اس کے جواز اور اغراض ومقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی۔کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز میں یہ تحریر ۱۸ اگست ۱۸۰۰ء کو منظوری کے لیے پیش کی گئی۔ اس ضمن میں ولزلی کے دلائل توجہ طلب ہیں:

> ''مختلف مذاہب کے ماننے والوں،متعدد زبانیں بولنے والوں،مختلف رسوم وروایات کی پابندی کرنے والے لاکھوں لوگوں کو عدل وانصاف فراہم کرنا، مال گزاری کے ایک پیچیدہ اور پھیلے ہوئے نظام کو ان تمام اضلاع میں چلانا جو رقبے میں یورپ کی بعض انتہائی قابل لحاظ حکومتوں کے برابر ہیں اور اس علاقے میں سول نظم ونسق قائم رکھنا جو دنیا کے سب سے زیادہ گنجان آباد اور نزاع پسند علاقوں میں سے ایک ہے، یہ ہیں آج کل کمپنی کے سول ملازمین کے ایک بڑے حصے کے فرائض۔''(۵)

کالج کے قیام کی بات تو ۱۸۰۰ء میں ہوئی لیکن اس کا بنیادی کارگزار ڈاکٹر گل کرسٹ اس سے بیس سال قبل ۱۷۸۱ء میں ہندوستان آیا تھا۔زبانوں سے لگاؤ گل کرسٹ کا ذاتی شوق تھا اور جہاں جہاں وہ رہا وہاں اس نے اس کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ہندوستان آنے کے فوراً بعد وہ سورت میں رہا۔بعدازاں فتح گڑھ گیا۔پھر اپنے شوق کی تکمیل کے لیے اس نے ایک سال کی رخصت لی،مختلف شہروں کی سیر کرتا رہا اور اس دوران ہندوستانی زبانیں سیکھتا رہا۔ اس دوران وہ مقامی لوگوں سے قریبی میل جول رکھتا۔اس حد تک کہ کلکتہ پہنچ کر اس نے داڑھی رکھی اور ہندوستانی لباس پہننے لگا تاکہ لوگوں کو مانوسیت محسوس ہو۔یہ زبانیں سیکھنے کے ساتھ ساتھ اس نے علمی حوالے سے بھی اس شوق کو کارآمد بنایا اور ہندوستانی زبانوں کی گرامر اور لغت پر کام کیا۔۱۷۸۶ء میں اس کی مرتب کردہ انگریزی ہندوستانی لغت کا پہلا حصہ شائع ہوا۔اس کے بعد اس نے غازی پور میں رہنے کا ارادہ کیا اور اجازت ملنے پر ۱۷۹۵ء تک اسی شہر میں رہا۔گل کرسٹ کی ہندوستانی زبانوں پر مہارت اور مشرقی زبانوں سے اس کے شغف کا تذکرہ کرتے ہوئے عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

> لغت کے علاوہ گلکرسٹ ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت پر تحقیق کرتے ہوئے چار کتابیں شائع کر چکا تھا۔ان کتابوں کی اشاعت نے مشرقی زبان دان کی حیثیت سے اس کی صرف اہمیت نہیں بڑھائی بلکہ سرکاری حلقوں میں ہندوستان سے لے کر

انگلستان تک اس کی دھوم مچ گئی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل وعقد نے اردو زبان کے معاملے میں اس کا لوہا مان لیا تھا۔ (۶)

کمپنی کی اجازت ہی سے ''اورینٹل سیمینری'' کے نام سے گل کرسٹ نے ایک ادارہ بنایا۔ اس کا مقصد کمپنی کے جونیئر ملازمین کو مقامی زبانوں کی تعلیم دینا تھا۔ یہ ادارہ دراصل وہ تجربہ گاہ تھی جہاں چھوٹے پیمانے پر گل کرسٹ نے مقامی زبانوں کی تدریس کے کام کا آغاز کیا۔ بعدازاں انھی خطوط پر فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا اور گل کرسٹ کی دلچسپی، اس کی مہارت اور اس کے تجربے کے پیش نظر اسے اس میں نمایاں جگہ دی گئی۔ کالج نے بہت جلد اپنا کام احسن طریقے سے کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جس شوق اور نظریے کے تحت ولزلی نے اسے شروع کیا تھا اور گل کرسٹ اسے جو بنانا چاہتا تھا، کمپنی کے کارپردازان اس سے بہت زیادہ متفق نہ تھے۔ خاص طور پر کالج کے لیے استعمال ہونے والی مالی وسائل ان کی نظروں میں کھٹکتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ وسائل کا زیاں ہے اور اس پر ہونے والے اخراجات کے مقابلے میں کمپنی کو اس سے فائدہ بہت کم ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ولزلی کے پیش نظر بھی اس کالج کے قیام کے مقاصد اور اہداف میں ہندوستان، ہندوستانی عوام یا ہندوستانی زبانوں کی ترقی یا بہتری نہ تھی۔ یہ سراسر سیاسی مقاصد کے لیے قائم ہوا اور اس کا مقصد کمپنی کی حکومت کو مضبوط بنانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کے اور کمپنی کے ڈائریکٹران کے درمیان کالج کے لیے وسائل کی فراہمی سے بڑھ کر تنازع اس کو بند کرنے یا جاری رکھنے کے سوال تک جا پہنچا تو اس نے لکھا کہ '' کالج کو قائم رہنا ہوگا ورنہ سلطنت ختم ہو جائے گی۔''(۷) یہ ایسا الٹی میٹم تھا جس پر کورٹ آف ڈائریکٹرز کو کسی حد تک پسپائی اختیار کرنا پڑی اور کالج کو تاحکمِ ثانی جاری رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن یہ معاملہ زیادہ تر آگے نہ بڑھ سکا اور بالآخر نصف صدی سے زائد عرصے تک خدمات سرانجام دینے کے بعد یہ کالج ۱۸۵۴ء میں بند کر دیا گیا۔

فورٹ ولیم کالج کی اردو کے لیے خدمات سے انکار ممکن نہیں۔ اگرچہ ضمنی طور پر ہی سہی اور اردو کی ترویج و اشاعت کالج کا بنیادی مقصد نہ سہی لیکن ایسا ہوا ضرور۔ لیکن اس ضمن میں ایک بات کی طرف نسبتاً کم جاتی ہے کہ یہ ترقی زیادہ تر اردو نثر یا دوسرے لفظوں میں اردو ادب کی ترویج و اشاعت کی طرف تھی۔ جہاں تک اردو زبان کی ترقی یا اس کے فروغ کی بات ہے، کالج کے مختلف اقدامات کے نتائج مجموعی طور پر اردو زبان کے لیے مفید ثابت نہ ہوئے۔ اس کی بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ مقامی زبانوں سے اور اردو سے گل کرسٹ کی دلچسپی ذاتی تھی۔ ولزلی کو بھی اردو سے اسی حد تک رغبت تھی کہ اس کے خیال میں وہ انگریزی اقتدار کے دوام کا ذریعہ تھی۔ لیکن کمپنی کے ارباب بست و کشاد اس ضمن میں اور طرح سوچتے تھے۔ وہ محکوموں کی زبان کو اختیار کر کے انھیں سماجی یا تہذیبی برتری کا احساس دلانے اور خود کو غیر محسوس کرنے اور کروانے کی بجائے یہ سوچتے تھے کہ ان پر اپنی زبان نافذ کی جائے جس میں انھیں کامل دسترس حاصل ہو اور مقامی لوگوں کے لیے یہ سیکھی ہوئی زبان ہو جس میں ان کی مہارت کی کمی ہی ان کا

خامی بن کر رہ جائے۔ اس کے علاوہ ان کا خیال تھا کہ جب تک ان زبانوں کی حاکمیت ختم نہیں کی جاتی جو مقامی لوگوں کی زبانیں ہیں، ان سے وابستہ تہذیبی آثار بھی زوال پذیر نہیں ہوں گے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مقامی لوگوں کے اندازِ فکر و نظر کو بدلنے اور انھیں جدید مغربی دنیا کی طرز پر لانے کے لیے مغربی افکار اور انگریزی زبان کی ترویج بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا جب میکالے کو نظامِ تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تو اس کے لیے جو دستاویز اس نے تیار کی وہ اس ہندوستان کا منظر اسی وقت سے دکھاتی ہے جو آئندہ دنوں میں متشکل ہونے والا تھا۔ اس میں لکھا ہے:

> ''ہم پر ۱۸۱۲ء کے قانونِ پارلیمنٹ کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ ہم کسی صریح معنوی عہد و پیمان کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اپنی رقم کو جس طرح چاہیں استعمال کرنے میں آزاد ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اسے ایسی تعلیم میں استعمال کریں جو بہترین صورت میں قابلِ حصول ہو۔ انگریزی کی واقفیت سنسکرت اور عربی کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ عربی اور سنسکرت قانونی زبان کی حیثیت سے نہ مذہبی زبان کی حیثیت سے ہماری تائید کا کوئی خاص استحقاق رکھتی ہیں۔ اس ملک کے باشندوں کو کامل طور پر انگریزی کے حقیقی عالم بنانا ممکن ہے اور ہمیں اس مقصد کی جانب اپنی مساعی کا رخ پھیر دینا چاہیے۔''(۸)

یہ اقتباس واضح طور پر اس بات کا غماز ہے کہ انگریزوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ برطانوی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے فارسی اور دیگر مقامی زبانوں سے جس قدر کام لیا جا سکتا تھا لیا جا چکا تھا۔ اب ان کی ضرورت نہ رہی تھی اور ان کی جگہ انگریزی کو نافذ کیا جانا چاہیے۔ اس لیے مقامی زبانوں کی فراخ دلانہ مالی امداد کی یقین دہانی کے باوجود اس نے بہرحال انگریزی کو ترجیحی زبان کے طور پر اختیار کرنے کا فیصلہ سنا دیا۔

> ''میں ان تمام افراد کے ساتھ بھی فیاضانہ سلوک کروں گا جنھیں کسی مالی امداد کی توقع ہو گئی ہے لیکن میں اس قبیح طریقے کی بیخ کنی کروں گا جسے اب تک ہم نے جاری رکھا ہے۔ میں فوراً عربی اور سنسکرت کی کتابوں کی طباعت بند کر دوں گا۔ میں مدرسہ اور سنسکرت کالج کو برخاست کر دوں گا۔۔۔ اس طرح جو رقم ہمارے زیرِ تصرف ہو گی اس سے ہم۔۔۔ فورٹ ولیم کالج اور آگرہ کے احاطوں کے بڑے بڑے شہروں میں ایسے مدارس قائم کرنے کے قابل ہو سکیں گے جن میں انگریزی کامل طور پر بخوبی سکھائی جا سکے۔''(۹)

انگریزی کو آگے لا کر دراصل دو زبانوں کی بیخ کنی بنیادی طور پر مقصود تھی۔ ایک عربی اور دوسری سنسکرت۔ فارسی انگریزوں کے آنے سے پہلے یہاں کی سرکاری زبان تھی اور سب قومیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد اسے سرکاری زبان کی حیثیت سے جانتے اور مانتے تھے اور وہ ان کے مشترکہ تشخص کی علامت تھی۔ پہلے مرحلے پر انگریزوں نے فارسی کے چلن کو ختم کر کے اردو کو اس کی جگہ دے کر یہ مغالطہ پیدا کیا کہ نسبتاً ایک سادہ مقامی زبان کو

ترجیحی زبان کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ جب فارسی کی جگہ اردو آ گئی تو اگلے مرحلے میں انھوں نے اردو کی بجائے انگریزی کو نافذ کر دیا اور ہندوستان میں بسنے والی دونوں قوموں یعنی مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی مذہبی زبانوں یعنی عربی اور سنسکرت کو سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ فورٹ ولیم کالج کی نثر سے عربی اور فارسی اثرات کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا گیا تا کہ اس میں ہند اسلامی تہذیب اور خاص کر مسلم تشخص کی نشانیاں کم سے کم ہو جائیں۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

> فورٹ ولیم کالج میں فارسی اور عربی کی کتابوں کے علاوہ سنسکرت اور ہندی کی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کا کام بھی پہلو بہ پہلو ہو رہا تھا اور اس مقصد کے لیے ان زبانوں کے ادبا بھی کالج میں ملازم رکھے گئے تھے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہندی اور سنسکرت کی بعض مشہور کتابوں کے ترجمے پر مسلمان مصنفین کاظم علی جوان اور مظہر علی ولا وغیرہ کو مامور کیا گیا۔ یہ مصنفین چونکہ سنسکرت سے واقف نہیں تھے اس لیے للولال جی ان کی مدد کرتے، کہانی پڑھ کر سناتے اور مسلمان مصنف اسے اردو میں ڈھال لیتا۔ چنانچہ اس عمل سے اردو میں ایک نیا اسلوبِ بیان پیدا ہوا جس میں ہندی اور سنسکرت کے اثرات نمایاں اور فارسی کا اثر بالکل محدود تھا۔ (۱۰)

یہی اس کوشش کی عملی شکل ہے جس میں ہندوستان میں بسنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفاوت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ فورٹ ولیم کالج میں ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت فارسی اور عربی کے الفاظ اور اثرات کو منہا کر کے اردو کا روپ سنسکرت کے قریب کرنے کی کوشش کی گئی۔ دکنی دور سے لے کر بعد کے ادوار میں اردو کے دونوں اسلوب انفرادی طور پر موجود رہے ہیں جن میں کسی عہد میں یا کسی علاقے میں یا کسی لکھنے والے کے ہاں مقامی اور ہندوستانی زبانوں اور کلچر کے اثرات نمایاں ہیں اور کسی کے ہاں عربی فارسی اثرات زیادہ ہیں۔ لیکن ان اثرات کی بنا پر زبان کے اشتراک میں کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن فورٹ ولیم کالج میں پیدا کردہ اس تفاوت کی وجہ سے ایک ہی زبان بولنے اور لکھنے والے ہندو اور مسلمان اس زبان کو الگ الگ سمجھنے لگے اور روز بروز یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹر انور سدید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> فورٹ ولیم کالج کی تحریک کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس نے مقامی باشندوں میں لسانی اختلافات کو ہوا دی اور ہندی، اردو اور بنگالی کو باہم متصادم ہونے کا موقع دیا۔ اس عہد میں عربی اور سنسکرت کالجوں کا الگ الگ قیام بھی لسانی انتشار میں مزید اضافے کا باعث بن گیا۔ چنانچہ جب ۱۸۲۸ء میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تو بنارس میں اس کا شدید ردِعمل ہوا اور اردو کو نیست و نابود کر کے دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو فروغ دینے کے منصوبے بنائے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں مستعمل زبانوں

کے تصادم سے انگریزی کی بالادستی قائم ہونا شروع ہوگئی اور مشرق کی تین کلاسیکی
زبانین یعنی عربی، فارسی اور سنسکرت آہستہ آہستہ مسندِ اقتدار سے محروم ہوگئیں۔ (۱۱)

یوں اگر فورٹ ولیم کالج کی خدمات کا جائزہ اردو نثر کے ایک نئے اسلوب کو متعارف کرانے کے حوالے سے کیا جائے تو اردو نثر کے ارتقائی سفر کے ایک سنگ میل کے طور پر یہ قابل ستائش ہے۔ لیکن اگر اردو زبان کے حوالے سے بات کی جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اردو ہندوستان میں مسلمانوں کے ہزار سالہ دورِ اقتدار میں یہاں پیدا ہونے والی ہند مسلم تہذیب کی علامت تھی جس میں ہندوستان کی ساری اقوام کے تہذیبی عناصر باہم آمیز ہو گئے تھے اور اس کی حیثیت ایک مشترکہ تہذیبی ورثے کی ہوگئی تھی۔ انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج کے ذریعے 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کے اپنے فارمولے کو اس لسانی وحدت کو پارہ پارہ کرنے پر آزمایا۔ دکنی دور سے اردو کے یہ دونوں روپ موجود تھے جس میں ایک روپ میں ہندوستان کے مقامی اور علاقائی عناصر اور مقامی زبانوں کے اثرات نمایاں تھے اور دوسرے روپ میں عربی فارسی اور عجمی اثرات حاوی تھے۔ لیکن کبھی ان عناصر کی وجہ سے ان دو متوازی دھاروں کو دو زبانیں نہیں سمجھا گیا۔ فورٹ ولیم کالج میں پہلی بار اس تنازعے کا بیج بویا گیا جس نے ہندوستان کی مشترکہ تہذیبی وحدت کو توڑ کر لسانی فرقہ واریت کا بیج بویا۔ یہی بیج آگے چل کر درخت بنا اور آج ہندی اور اردو کے دو الگ زبانیں ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور بات گیان چند جیسے محققین کی متنازعہ کتابوں تک پہنچتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تاریخ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۴۷۸

۲۔ ایضاً، ص ۴۷۹

۳۔ رام بابو سکسینہ، ''تاریخ ادب اردو''، ترجمہ: مرزا محمد عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۵

۴۔ ایضاً

۵۔ نجم الاسلام، ڈاکٹر، ''فورٹ ولیم کالج، مطالعات''، ادارہ اردو، حیدر آباد، ۱۹۹۰ء، ص ۶۵

۶۔ محمد عتیق صدیقی، ''گلکرسٹ اور اس کا عہد''، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص ۸۵

۷۔ ولزلی، بحوالہ انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تحریکیں''، ص ۲۵۱

۸۔ میکالے، بحوالہ ڈاکٹر انور سدید، ایضاً، ص ۲۵۲

۹۔ ایضاً، ص ۲۵۳، ۲۵۴

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تحریکیں''، ص ۲۴۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۵۸